Allama Iqbal Open University STE Terminal Exam Solved Paper CC-430

Q.1

Answer:

کالم نگاری نہ ادب وشاعری ہے، نہ تقریر و خطابت کا نام ہے۔ اور نہ سیاست کا، بلکہ یہ حکایت و داستال سرائی ہے۔ یہ بیک وقت صحافت وادب بھی ہے اور شاعری بھی، کالم نگاری داستال گوئی بھی۔ یہال تک کہ وہ تقریر و خطابت کی شعلہ سامانی کو اپنے دامن وسیع میں سمیٹے ہوئے ہے۔ کالم نگار کا قلم بھی شعلے برساتا ہے اور بھی شبنم تو بھی معاشرے کے ناسور پر نشتر لگاتا ہے اور بھی دلول پر مرہم بھی رکھتا ہے۔

كالم كے معنی ومفہوم:

کالم یاکالم نولیی فرانسیسی لفظ (Columna)اور لاطین زبان کے لفظ (Colomne) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معانی (تھمبا یاستون) کے ہیں۔اخبار نولیسی کے اس فن کی ابتداجنگ اول کے آخری وقتوں میں ہوئی۔

کالم اخباری زبان کی قدروں کی شاخت کرتا ہے۔ جتنی اچھی (خبر) ہو گی اتناہی کالم اچھا ہو گا۔اور اچھی خبر کی بنیاد حقیقت میں پانچ ڈبلیو ز

(W)Why, What, When, Where, Who

اور تھوڑا بہت حصہ How کا بھی ہوتا ہے۔اسی طرح اردومیں لفظ (ک) ہے۔ یعنی (کیا، کون، کب، کہاں، کیوں) شامل ہیں۔ کالم نویس کسی واقعے، حادثے وغیرہ کواپنی علمی استعداد اور مشاہدے کے ذریعے کالم میں زیر تحریر لاتا ہے۔

كالم نكارى كى اقسام:

ویسے تو کالم نگاری کی کئی اقسام ہیں۔ لیکن بنیادی یہی ہیں۔ جن سے اور قشمیں بنتی ہیں۔

اسلوبي اقسام:

اسلوبی اقسام میں فکاہی کالم (مزاحیہ انداز)، سنجیدہ،اقتباس، تر کیبی مکتوبی،اور علامتی کالمز کوشامل کیا گیاہے۔

موضوعاتى اقسام:

اسی طرح طبتی، دینی، قانونی، نفسیات،

ا قصادیات، کھیل پامسری (علم نجوم)اور فیشن پر لکھے گئے کالم وغیرہ۔

مثابداتي كالم'

سیاحت کے موضوع اور ڈائری نماکالمز بھی مشاہداتی کالم کہلاتے ہیں۔

كالم تكارى كے بارے مس خيالات:

کالم نگاری کے بارے میں ابن انشاء کچھ اس طرح رقم طراز ہیں۔"میں کالم کو (Essay)مضمون سمجھتا ہوں جس طرح مضمون بے کراں چیز ہے کالم بھی ہے "

عطاءالحق قاسمی کے اکالم ایک تحریری کارٹون ہوتاہے جس میں کالم نویس الفاظ سے خاکہ تیار کرتاہے"

مامنی کے چند کالم تکار:

چراغ حسن حسرت، عبدالمجيد سالك، نصرالله خان، و قارانبالوي، ابرا جيم جليس اور شوكت تھانوي وغير ٥ ـ

اسلوب کیاہے؟

اسلوب یا طرز_نگارش کو انگریزی میں (Style) کہتے ہیں۔اردو میں اس کے لیے "طرزیا اسلوب اکا لفظ استعال کیا جاتا ہے۔ یہ افکار و خیالات کے اظہار وابلاغ کا ایسا پیرایہ ہوتا ہے۔جو دکنشین بھی ہواور منفر د بھی۔ عربی اور جدید فارسی میں اس کو (سبک) کہتے ہیں۔ان تمام الفاظ کی اگر اصل پر غور کرنے سے ہی یہ انداذہ ہوسکتا ہے کہ اسلوب میں ترضیع یا صنای (Ornamentation)کا مفہوم شامل رہاہے۔

سب سے پہلے لفظ Style کو دیکھ لیں۔ یہ یونانی لفظ Stilus سے نکلاہے۔ جوہاتھی دانت، ککڑی یاکسی دھات سے بناہوا ایک نوکیلااوزار ہوتاہے، جس سے موم کی تختیوں پر حروف والفاظ یا نقوش کندہ کیے جاتے تھے۔

جدید فارسی اور عربی زبان میں اسٹائل کے لیے (سبک) استعال ہوتا ہے۔اصل مصدری معنی میں عربی لفظ ہے۔ (سبک،یسبک) استعال ہوتا ہے۔اصل مصدری معنی میں عربی لفظ ہے۔ (سبک،یسبک) یعنی (ضرب،یفرب) کے لغوی معانی ہیں دھات کو پکھلانا اور سانچے میں ڈھالنا۔ یعنی کوئی خوش نماشکل دے دینا۔ چنانچہ اس کا عربی میں مفہوم "اکلام کو حشووز وائد سے پاک کرنا" بھی ہے۔

ہندی میں اس مفہوم کو لفظ (شیلی) بولا جاتا ہے۔اگرچہ اس کی اصل لفظ شیل ہے جواصول، برتاو، ڈھب اور ڈھنگ کا مفہوم اداکر تا ہے۔ شیلی کا مفہوم عین وہی ہے۔جو عربی میں اسلوب کا ہے۔

اردومیں اس کے لیے ایک لفظ (انداز) بھی مستعمل ہے۔

كالم تكاركى ذمه دارى:

کالم نگار معاشرے میں وجود پذیر ہونے والے نظریات و تحریکات کا بالاستیعاب مشاہدہ کراتاہے، کالم نگار اگر ظالم و مظلوم، حاکم و محکوم کے لئے تازیانہ ہے تو وہیں معاشرے کے مجبور و بے کس کے لئے شمع فروزاں بھی ہے۔ کالم نگاری صحافت کے دائرہ میں مجبی آتی ہے۔

كالم تكارىكادائرهكار:

کالم نگاری کا دائرہ کار اور دائرہ عمل اس قدر پھیلا ہواہے کہ اس کی ساجی وسیاسی، تہذیبی و تدنی،اخلاقی اور ہمہ گیر وسعت اور معنویت سے کون انکار کر سکتا ہے۔اس کے اعتراف میں اکبرالہ آبادی یوں گویاہیں۔

تصينجونه كمانول كونه تلوار نكالو

جب توپ مقابل ہو تواخبار نکالو

كالم تكارك ليه بدايات:

کالم نگار کو قاری کے وقت کی قدر وقیمت کوسامنے رکھناچاہیے۔ غیر ضروری طوالت ، لفاظی اور افسانوی انداز سے اجتناب کر ناچاہیے۔ کالم میں دیئے گئے مواد کا تسلسل کسی قیمت جدا نہیں ہو ناچا ہئیے۔ ذاتی اناسے بالا تر ہو کر ملک و قوم کی بہتری کے لیے لکھاجائے۔

حامد ميركى كالم نگارى:

حامد میر، پیدائش 23جولائی 1966ء، معروف پاکستانی صحافی اور مدیر ہیں۔ حامد میر روز نامہ جنگ میں اپنے اردو مضامین اور جیو نیوز پر نشر ہونے والے پروگرام کیبیٹل ٹاک (Capital Talk) کی وجہ سے مشہور ہیں، اس کے علاوہ بھی پاکستان میں آزاد کی صحافت کے لیے ان کی بڑی کاوشیں ہیں۔

حامد میر نے 1989ء میں ابلاغ عامہ (Mass Communication) میں جامعہ پنجاب لاہور سے ماسٹر زکی سند حاصل کی۔ حامد میر 1987ء میں مدیر کی حیثیت سے روز نامہ جنگ لاہور سے منسلک ہوئے اور نامہ نگاری اور اشاعت کے شعبوں سے منسلک رہے۔1994ء میں آبدوز کیس مر روز نامہ جنگ میں ایک مکالمہ لکھا۔اس مکالمہ کے جھیتے ہی انہیں اپنی نو کری سے ہاتھ دھونایڑا۔

1996ء میں روز نامہ پاکستان اسلام آباد کے مدیر اعلیٰ ہے اور پاکستانی صحافت کے سب سے کم عمر مدیر ہونے کااعز از حاصل کیا۔ 1997ء میں ایک بار پھر انہیں پاکستانی وزیر اعظم پر بد عنوانی پر روز نامہ پاکستان پر مکالمہ کھنے پر اپنے منصب سے سبکدوش ہونا پڑا۔1997ء میں روز نامہ اوصاف اسلام آباد کے بانی مدیر ہے۔

حامد میر نے دس دن مشرقی افغانستان میں گزارے اور دسمبر 2001ء میں تورابورا کی پہاڑیوں سے اسامہ بن لادن کے فرار ک تحقیق کی اور 2002ء میں جیوٹیلی و ژن میں شالی علاقہ کے مدیر کی نوکری اختیار کی۔ نومبر 2002ء سے سیاسی گفتگو کے برنامہ کیپیٹل ٹالک کی میزبانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آج کل وہ اسامہ بن لادن کی سوائح حیات پر کام کر رہے ہیں اور روزنامہ جنگ اور دی نیوز (انگریزی (The News) : میں ہفت روزہ کالم کھتے ہیں۔

2000ء سے 2002ء تک فرائڈے ٹائمز (Friday Times) اور 2002ء سے 2003ء تک دی انڈیپپٹرنٹ (The independent) میں ہفت روزہ کالم کھتے رہے

بھارتی اخبارات ٹائمز آف انڈیا (Times of India) ، آؤٹ لک (Outlook) ، دہلی، دی ویک The) (Week، انڈیا، دینک بھاسکر اور Rediff.com میں بھی کالم کھھے

1996،1997،1998ء میں کل جماعتی اخباراتِ پاکستان (All Pakistan Newspaper Society) کی طرف سے بہترین کالم نویس کااعزاز حاصل کیا

مارچ 2005ء جود ھپور میں صحافت میں امتیازی کار کردگی پر ''ٹرسٹ برائے تعلیماتِ وسیط'' کی جانب سے مہاشری سان اعزاز

وزارت ترقی نسواں، حکومتِ پاکستان کیجانب سے عور توں کے حقوق کے لیے لکھنے اور بولنے پر اگست 2005ء میں فاطمہ جناح طلائی تمغاجاصل کیا

1994ء میں روزنامہ جنگ کے لیے اسرائیلی وزیر خارجہ شیمون پیریس سے سوئٹزرلینڈ میں ملاقات کی 1997ء میں روزنامہ پاکستان کے لیے اور 1998ء میں روزنامہ اوصاف کے لیے اسامہ بن لادن سے مکالے[4] اور 2001ء میں روزنامہ ڈان[5] کے لیے گفتگو کی۔ آخری ملاقات 11/9 کے بعد کسی بھی صحافی کی ان سے پہلی ملاقات تھی۔ بی بی سی اور سی این این نے اسے بین الاقوامی دھاکا قرار دیا۔ ماہنامہ ہیر الڈنے اس ملاقات کو اپنے دسمبر 2001[6] کے شارے میں سال کاسب سے بڑاد ھاکا قرار دیا۔ ماہنامہ ہیر الڈنے اس ملاقات کو اپنے دسمبر 1002[6] کے شارے میں سال کاسب سے بڑاد ھاکا قرار دیا۔

امریکی اخبار کر سچن سائنس مانیٹر نے حامد میر کی 8اکتوبر 2005ء میں کشمیر میں آئے زلزلہ کی خبر رسانی پران کو پاکستانی عوام کا ہیر وقرار دیا

حامد میرنے ذوالفقار علی بھٹو کے ساسی فلسفہ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جو 1990ء میں طبع ہو ئی

2000ء سے 2002ء تک فرائڈے ٹائمز (Friday Times) اور 2002ء سے 2003ء تک دی انڈیینڈنٹ (The independent) میں ہفت روزہ کالم کھتے رہے

بھارتی اخبارات ٹائمز آف انڈیا (Times of India) ، آؤٹ لک (Outlook) ، دبلی، دی ویک The) ہمارتی اخبارات ٹائمز آف انڈیا (Rediff.com) میں بھی کالم کھھ

(All Pakistan Newspaper Society) کی جماعتی اخباراتِ پاکستان (All Pakistan Newspaper Society) کی طرف سے بہترین کالم نویس کا عزاز حاصل کیا۔

مارچ 2005ء جود ھپور میں صحافت میں امتیازی کار کردگی پر ''ٹرسٹ برائے تعلیماتِ وسیط'' کی جانب سے مہاشری سان اعزاز وزارت ترقی نسوال، حکومتِ پاکستان بجانب سے عور تول کے حقوق کے لیے لکھنے اور بولنے پر اگست 2005ء میں فاطمہ جناح طلائی تمغاجا صل کیا۔

1994ء میں روز نامہ جنگ کے لیے اسرائیلی وزیر خارجہ شیمون پیریس سے سوئٹزر لینڈ میں ملا قات کی 1997 میں روز نامہ پاکستان کے لیے اور 1998ء میں روز نامہ اوصاف کے لیے اسامہ بن لادن سے مکالمے

اور 2001ء میں روز نامہ ڈان کے لیے گفتگو کی۔ آخری ملا قات 11/9 کے بعد کسی بھی صحافی کی ان سے پہلی ملا قات تھی۔ بی بی سی اور سی این این نے اسے بین الا قوامی دھا کا قرار دیا۔ ماہنامہ ہیر اللہ نے اس ملا قات کو اپنے دسمبر 2001 کے شارے میں سال کا سب سے بڑادھا کا قرار دیا امریکی اخبار کر سپجن سائنس مانیٹر نے حامد میرکی 8 اکتوبر 2005ء میں کشمیر میں آئے زلزلہ کی خبر رسانی پران کو پاکستانی عوام کا ہیر و قرار دیا۔

عطاالحق قاسمي كى كالم نگارى:

عطاءالحق قاسمی ادبی دنیا کے لئے عطائی نہیں بلکہ عطابیں۔ان کے ساتھ حق کی آواز شامل ہو جاتی ہے تو قحطالر جال میں وہ عطاءالحق بین کر سامنے آتے ہیں۔ حق گوئی ہویاحق کی تلاش ہر عہد میں مشکل رہی ہے اسی طرح دوسرے عطاءالحق قاسمی کی تلاش بھی مشکل ہے۔

جیسے مریضوں کی کثرت ہواور ڈاکٹر کم۔ وبائی امراض پھیل رہے ہوں توعطائی حکیم عطائی ڈاکٹر تھمبیوں کی طرح نکل آتے ہیں اور خم ٹھونک کرانسانی جانوں کو تختہ مثق بناتے ہیں۔ آج کل معاشر ہ بڑے گھمبیر مسائل اور اخلاقی امراض کا شکارہے۔اس لیے ڈاکٹر کی طرح کالم نگار بھی کم اور عطائی کالم نگار تصویروں کے ساتھ چھپتے اور اپنے نیم کارڈ (Name Card) پر کالم نگار کا سابقہ لاحقہ لگائے گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔اس وقت آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کہ عطاء الحق حقے سپچ کالم نگار ہیں اور ان کی کالم نگار کی حقیقت نگار کی سے مزین ہے۔

یہ بات تو شاعری اور شعر و سخن کے حوالے سے کہی جاتی ہے کہ جذبات کے ساتھ ساتھ انسان کی شخصیت کا بھی اظہار ہو جاتا ہے۔ عطاء الحق قاسمی کاہر کالم ان کی شخصیت کو بھی سامنے لاتا ہے لیکن قاسمی صاحب رسوائی کاالزام نہیں اٹھاتے۔ چو نکہ کالم بھی کسی نہ کسی نئے موضوع پر ہوتا ہے۔ مثلاً یہ پاکستان سے کسی نہ کسی نئے موضوع پر ہوتا ہے۔ مثلاً یہ پاکستان سے والہانہ محبت کرتے ہیں للذامیں انہیں قومی کالم نگار کہہ سکتا ہوں۔ پاکستان کے مسائل جیسے گاؤں گاؤں، شہر شہر، گھر گھر بھھر سے والہانہ محبت کرتے ہیں للذامیں انہیں قومی کالم نگار کہہ سکتا ہوں۔ پاکستان کے مسائل جیسے گاؤں گاؤں، شہر شہر، گھر گھر بھھر سے ہوئے ہیں وہ اس کالم نگار کی رگوں میں بھی دوڑتے پھرتے نظر آتے ہیں اور یہی سوچ انہیں پھر ایک سیچے کالم نگار اور کالم نگار سے آگے غم گسار کی طرح سامنے لاتی ہے۔

عطاء الحق قاسمی کے ہر کالم میں شاخ گل کی مہکار توہے تلوار کی کاٹ نہیں اور مزاح کارنگ بھی گلابی گلابی ہے جو کالم نگلری میں ایبام نگاری نہیں کرتے کہ یہ با تیں ضرور کر ناہیں بلکہ قلم کی روانی اوراحساس کی جو النی انہیں خود بیدار ہے کے در اسے پہ ڈال دیتی ہے۔ جس کر دار کو موضوع بناتے ہیں اس کے خدو و خال پوری سی کی کے ساتھ ہمارے سامنے لاتے ہیں لیکن اس میں انسانی تحقیر پینڈلیل کی صورت پیدا نہیں ہونے دیتے۔ یہاں وہ کالم نگار کے منصب اور دائرہ فکر کی جغرافیائی حدود (Line of Demarcation) بھی متعین کرتے ہوئے آگے آتے ہیں۔ عطاء الحق قاسمی نے اپنے ماہ و سال ہوائی سفر میں نہیں ہی وجہ ہے کہ ان کے کالموں میں فتوے بازی اور حرب و عطاء الحق قاسمی نے اپنے ماہ و سال ہوائی سفر میں نہیں گزارے بلکہ زمینی مقامات آہ و فغال سے بھی گزرے فرب نظر نہیں آتی۔ عطاء الحق قاسمی نے اپنے ماہ و سال ہوائی سفر میں نہیں گزارے بلکہ زمینی مقامات آہ و فغال سے بھی گزرے بیں۔ مخت کی شدت اور محت کے تمرات و اثرات سے بھی ہمکنار ہیں۔ اس لیے وہ کھتے وقت امام مسجد ، ما جھ سا جھی سیاست میں نہیں عزر کرتے ہیں۔ پونکھ عظاء الحق قاسمی کی کالم نگاری بھی سیاحت میں ہم بغیر کئٹ کے اپنے ملک میں ہنتے ، روتے کر داروں سے ہاتھ ملا لیتے ہیں۔ چو نکہ عطاء الحق قاسمی کی کالم نگاری بھی سیاحت میں ہم بغیر کئٹ کے اپنے ملک میں ہنتے ، روتے کر داروں سے ہاتھ ملا لیتے ہیں۔ چو نکہ عطاء الحق قاسمی کی کالم نگاری بھی ربعی سیال اس مقام پر ایک مثال دینا چاہوں گار بیا سیالا کی بیا کر بین کیا کر نہیں کھتے بلکہ الفاظ کو نئے نئے بیر ہن پہنا کر عروس اظہار میں جادہ افر وز کرتے ہیں۔ میں یہاں اس مقام پر ایک مثال دینا چاہوں گا۔ "ابوزیش کا الف" گراد یاجائے تو باتی اپوزیش ارہ واتی ہے اور پوزیش تین طرح کی ہوتی ہے۔ پوزیش جواتچی بھی بھی ہوتی ہے، اور پوزیش کا الف اگراد یاجائے تو باتی اپوزیش ارہ واتی ہے اور پوزیش تین طرح کی ہوتی ہے۔ پوزیش جواتچی بھی بھی ہوتی ہے۔ اور پوزیش تین طرح کی ہوتی ہے۔ پوزیش جواتچی بھی بھی ہوتی ہے۔ پوزیش جواتچی بھی بھی ہوتی ہے۔ پوزیش کا الف اگراد یاجائے تو باتی اپور پیش ہوتی ہے۔ پوزیش کے دور پورٹی ہے۔ پوزیش کی اسکار پر بیا کی دور پورٹی ہے۔ پوزیش کی دی ہوتی ہے۔ پوزیش کی دی ہوتی ہے۔ پوزیش کی دی ہوتی ہے۔ پورٹی ہور پی بھی ہوتی ہے۔

بری بھی ہوتی ہے اور پوزیشن جو لی بھی جاتی ہے۔ سواپوزیشن میں اس وقت تینوں قسم کی پوزیشن کے لوگ موجود ہیں "۔
اب یہاں دیکھیے عطاءالحق قاسمی نے ایک لفظ کی تبدیلی سے اپنے کالم کو مکمل کر لیااور ایوان میں بیٹھے کتنے چہروں کو آئینہ رو کر دیا۔
ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی روایات جنہیں ہم نے اپنے سینوں سے لگار کھا ہے اور آئکھ اشکبار نہ ہوتے ہوئے بھی زندگی کو
سوگوار دیکھتی ہے لیکن عطاءالحق قاسمی کی کالم نگاری دیکھیے کہ وہ روایات کے اس کرب زار میں بھی عطاءالحق بن کر سامنے آتے
ہیں۔

عطاء صاحب کے بقول!

"کسی محفل میں میری ملا قات ایک سو گوار شخص سے ہوئی جس کے والد کو فوت ہوئے کچھ عرصہ گزراتھا۔ وہ اپنے والدکی وفات سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہاتھا اپورے نو من گھی خرچ ہوا ہے 'اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ شایدُ مر دوں کو تَل ک دفن کیا جاتا ہے کیونکہ متذکرہ شخص کا نو من گھی چہلم کی رسومات کی ادائیگی کے سلسلے میں خرچ ہوا تھا"۔ عطاء الحق قاسمی کی کالم نگاری کو معاشر ہے میں تعمیری کر دار اداکر نے والوں کی محبت بھی رنگ وروغن فراہم کرتی ہے۔ مثال ک طور پر تحریک پاکستان میں جنہوں نے کر دار اداکیا اور ان کا خون وطن عزیز کی بنیاد وں میں صرف ہوایا وہ کر دار جو صلاحیتوں کے ساتھ ہی زندگی کی دوڑ میں چھچے رہ گئے یا وہ استحصال کی شو کریں کھاتے رہے یہ عطاء صاحب کی کالم نگاری کا اثاثہ بیں وہ کالم نگاری کے فور م پر کس خوبصورت انداز میں آئھوں میں شینم کی ٹھنڈک اتارتے ہیں۔ اگر چہ کچھ حاتم طائی نار اض ہیں کہ وہ کالم نگاری سپائی کی دہ بلیز پر بیٹھ کر کرتے ہیں اور ان کے قلم کی روشنائی کسی شکول میں جع نہیں رہتی۔ پچھے روز قبل آپ کا کالم حفیظ جالند ھری

اگرچہ حفیظ جالند ھری قومی ترانے کے خالق ہیں شاہنامہ اسلام ان کا شاہ کار ہے۔ لیکن وہ ماضی کا افسانہ بنتے جارہے ہیں اس لیے ان کے دل کی ہُوک اور قلم کی گوک ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ذرائع ابلاغ میں جہال ریاست ہوسیاست ہوادب ہو وہیں ان مشاہیر کے نام کی خوشبو کو محسوس کیا جائے یعنی انہیں صرف ماضی کے چراغ نہ سمجھا جائے بلکہ اپنی سوچ میں ان کی سوچ کی روشنی کو بھی شامل کیا جائے۔

جیسے چاند کے گردروشنی کاایک ہالہ ہوتا ہے اور ارد گردستار ہے بکھر ہے ہوتے ہیں بیہ ستار ہے ان کے موضوعات ہیں اور بیہ چاند کا ہالاعطاء صاحب کی شکفتگی اور مزاح نگاری ہے۔ سچی بات توبیہ ہے کہ عطاء الحق اگر عطاء الحق ہیں تووہ کالم نگار ہیں۔ اگر وہ کالم نگار ہیں تو عطاء الحق قاسمی ہیں۔ اس لیے جب بھی کالم کو چھوا جائے گا اور جب کسی کالم نگار کے نام پر دستک دی جائے گی توہر موڑ پر عطاء الحق قاسمی اپنے کالم کے ساتھ ہم کلام ہوں گے۔ کالم کھتے ہوئے اور کالم پڑھتے ہوئے دکھائی دیں گے اور یہ کالم نگاری کی وسعتیں ہیں کہ شاعری میں بھی ان کے ہر شعر میں کالم کی دھنگ مسکر اتی اور جی کو لبھاتی ہے۔

نذير ناجي كى كالم نگارى:

نذیر ناجی کو میڈیا کی مقدس گائے بھی سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان کے سینئر صحافی، تجزیہ کاراور جنگ کے کالم نویس نذیر ناجی صاحب پچاس برس سے پاکستان کی صحافتی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، وہ میڈیا میں سب سے زیادہ'' شریف'' ہیں،انہوں نے آج تک جتنے بھی بیر ونی سفر اعلیٰ حکومتی عہدیداروں کے ہمراہ بھی کئے ہیں وہ اپنے اخراجات پر کئے ہیں، نیز وہ واحد صحافی ہیں جنہیں بھارت کی آنجہانی وزیراعظم اندراگاندھی بھیار دو کی خدمات کے عوض ابوار ڈسے نواز چکی ہیں۔انہوں نے مزید تحریر کیا کہ آڈیو ر یکار ڈ نگز جعلی ہیں اوران کو پاکستان آر می کے ''بلندٹرز'' اوران''بلندٹرز'' میں جماعت اسلامی کے کر دار کے بارے میں لکھنے کی وجہ سے نشانہ بنایا جارہا ہے۔ مزے کی بات بیہ ہوئی کہ وہیں ایک صاحب نے دی نیوز میں چھینے والی خبر کا لنک دے دیا جس میں ناجی صاحب نے اپنی فصیح وبلیغ گالیوں کی معذرت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ اپنے چذبات پر کنڑول نہ رکھ سکے تھے۔اس کے بعد بھی یہ سلسلہ چل رہاہے اور جناب نذیر ناجی صاحب نے اب وہیں پر اقوام متحدہ کے جزل سیکرٹری بان کی مون، انٹر نیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹس،انٹر نیشنل ایسوسی ایش آف جرنلسٹس، پاکستان پریس فاؤنڈیشن، دی انٹر نیشنل سنٹر فار جرنلسٹس اور انٹر نیشنل "Character Assignation of an پریس انسٹی ٹیوٹ کے نام ایک اپیل ''دائر'' کی ہے جس کا سجبیک شوٹ کے نام ایک اپیل ''دائر'' "Eminent Asian Scholar, Philosopher, Thinker & Writer ہے۔راقم نے سجیکٹ جیسا اپیل میں ہے ویباہی انگریزی میں دیاہے تاکہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت کسی قشم کا کوئی ابہام نہ رہے اور قارئین انگریزی تحریر اور اس کے سپیلنگ پر بھی غور کر سکیں۔ غالباً ناجی صاحب Assignation کی بجائے Assassination کا لفظ استعال کر ناچاہتے تھے لیکن چو نکہ ان کی '' انگریزی دانی'' مجھی شاید میرے جیسی ہی ہواس کئے سپیلنگ میں غلطی ہو گئی ہویا شایدان کے نزدیک صحیح لفظ ہی Assignation ہو! بہر حال متذکرہ اپیل میں انہوں نے نہ صرف بڑی خوبصور تی ہے اپنی تعریفوں کے پل باندھے ہیں بلکہ اپنے سابقہ '' پیرومر شد''میاں نواز شریف کی جماعت پاکستان مسلم لیگ(ن) کے بارے میں بھی اپنے ''محب زر داری'' خیالات کا اظہار کرکے آصف علی زر داری کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ہی ہہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ ''لفافہ جرناسٹس'' ہیں، بریکٹ میں کھتے ہیں on Journalist on Government Payroll)یعنی ایک طرف به دعویٰ که ان پر زر داری صاحب کاقریبی دوست ہونے کی وجہ سے کیچڑ ا چھالا جار ہاہے اور دوسری طرف ان کی حکومت کومور دالزام کھہر ارہے ہیں کہ ان پریچیڑا چھالنے والے گور نمنٹ کے بےرول یر ہیں! نیز مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ دونوں''یر وطالبان'' جماعتیں ہیں اور آڈیو ٹیپس جاتی عمرہ اور منصورہ میں تیار کی گئی ہیں۔ واہ! کیا بات ہے ناجی صاحب کی انفار میشن کی ، کتنی کی اطلاع ہے ان کی اور کتنے یکے مخبر جنہوں نے انہیں اطلاع دی، اسی لئے اقوام متحدہ کی مدد لینے جارہے ہیں تاکہ جاتی عمرہ اور منصورہ پر بھی''ڈرون حملے'' ہو سکیس کیونکہ ان کے بقول مسلم لیگ(ن)اور جماعت اسلامی ''یر وطالبان'' تبھی ہیں اور انہوں نے ''ایک جغادری'' اور پاکستان کے سب سے بڑے صحافی کے خلاف آڈیو ٹییس بھی تیار کی ہیں،ان دونوں مجر موں کو ناجی صاحب برسر عام''وہوالی''گالیاں تو نہیں نکال سکتے (کیونکہ دونوں کے پاس ان کاعلاج موجود ہے) چنانچہ اب ان کی سزاڈرون حملے ہی ہو سکتے ہیں۔

Answer:

موجودہ انٹر نبیٹ کے دور میں مطبوعہ صحافت کی قدرواہمیت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ قلم انسانی تہذیب کے ارتقاء کی خشت اول ہے قلم علم اشیاء کی جہاں گیری کی وجہ سے افضل ہے متاع لوح و قلم جسے مل جائے اس کی دولت قارون کے خزانے سے بہتر ہے۔ قرآن یاک کی سور ہ القلم میں اللہ تعالی نے قلم کی قشم کھائی اللہ تعالی نے قلم کو علم کی اشاعت کاذریعہ بنایا ہے اس لئے صاحب قلم کو ناموس قلم کاہر حال میں لحاظ و پاس ر کھنا چاہیے اور قلم سے اخلاق وشر افت کیخلاف کو ئی بات نہیں لکھنی چاہیے ا گر کوئی فرداینے قلم سے دوسروں کی آبروریزی 'کردار کشی اور دل شکنی کا سبب بنتاہے تواس کا مطلب ہے کہ اسے اس بار امانت کاادراک ہی نہیں جو قلم کی بدولت اسے بخشا گیاہے۔ قلم ایک امانت ہے اسے ظلم کی طاقت سے توڑا تو جاسکتا ہے لیکن موڑا نہیں جاسکتا بہر حال اس کالم کی سطر وں کے ذریعے اقتدار کے ایوانوں پر دستک دینامقصود ہے کہ صحافت سے وابستہ افراد کی مشکلات میں اس قدر اضافہ ہو چکاہے کہ اب یہ تحقن حالات صحافیوں کے لئے سوہان روح بنتے جارہے ہیں۔ایک جانب و فاقی و صوبائی حکومتیں صحافیوں کے مسائل کو ترجیهی بنیاد وں پر حل کرنے کی یقین دہانیاں کرواتی نظر آتی ہیں لیکن صور تحال ہے ہے کہ صحافیوں کے مسائل حل ہونے اور کم ہونے کی بجائے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ بالخصوص علا قائی صحافی کے مسائل ملک میں سیٹر وں صحافتی تنظیمیں ہونے کے باوجود آج بھی حل طلب ہیں مضافاتی علاقوں میں رپورٹنگ کرنے والا صحافی میڈیا ہائوسز کے لئے نیوز سروس' اخبارات کی سر کولیشن اور بزنس میں مدو معاون ثابت ہوتا ہے تو وہیں وہ صحت'بچوں کی تعلیم اور گھر کا چولہا جلانے کے لئے معاشی حالات سے بھی نبرد آزما ہے المیہ ہے صحافتی ادارے علاقائی صحافیوں کے مسائل حل کرنے کی بجائے صحافی کو ایک کمائو پتر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ علاقائی صحافی معاشرے میں پھیلی ناانصافیوں' ظلم' کر پش کیخلاف قلم کے ذریعے جب آواز بلند کر تاہے تواسے مختلف منفی ہتھکنڈوں کے ذریعے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے یہاں تک کہ اسے تشدد اور قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ علا قائی صحافیوں کے حقوق اور مسائل کے حل کے لئے حکومت 'میڈیاہائوسز اور صحافتی شنظیمیں کیاا قدامات اٹھار ہی ہیں اس کاانداز ہاس بات سے لگا یا جاسکتا ہے کہ آج بھی علاقائی صحافی اپنے صحافی فرائض کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ اپنے معاشی حالات کو سدھارنے کی جنگ لڑرہا ہے صحافیوں کے پاس اینے معاشی حالات درست کرنے کے لئے کوئی اللہ دین کا چراغ نہیں ہوتا جس کے ر گڑنے سے اس کے کمزور معاشی حالت کو تقویت مل سکے۔صحافتی اداروں میں کسی بھی علا قائی صحافی کو نما ئندگی دینے کی اہلیت و قابلیت کا پیانہ بس یہی مقرر ہے کہ کہ وہادارے کو ہزنس میں کس حد تک معاون ثابت ہو سکتا ہے اور ادارے کو زر ضانت کے طور پر کتنی رقم دے سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ حقیقی حافیوں کی بجائے اب صحافت میں بھی زر غالب آچکا ہے صحافت کی صنعت سے تعلق رکھنے والے صحافی اب سر مایہ دار صحافیوں کے یے رول پر کام کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں جو کہ صحافتی اداروں اور صحافتی تنظیموں کے کر دار و عمل پر سوالیہ نشان ہے۔ایک صحافی سے معاشر ہ میں بسنے والے افراد منفی سر گرمیوں کے خاتمہ اور اصلاح احوال کے لئے تجاویز اور اعلیٰ حکام تک اپنے مسائل پہنچانے کی توقع تور کھتے ہیں لیکن یہی

معاشرہ صحافی کواس کا جائز مقام دینے سے قاصر نظر آتا ہے۔ بڑے بڑے صحافتی ادارے بھی علاقائی صحافی کواعزاز بید دینے کی بجائے اس سے برنس کی تو قعر کھتے ہیں جس کی وجہ سے علاقائی صحافی کو میڈیا ہائو سزکی ڈیمانڈیوری کرنے کے لئے جہاں در بدر کی خاک چھاننی پڑتی ہے وہیں معاشر ہاس کے گلے میں بلیک میلر کاطوق پہنادیتاہے بیہ حالات بڑی دلدوز صور تحال کے غماز ہیں۔ملک میں اس وقت سیروں صحافتی تنظیمیں کام کر رہی ہے لیکن اس کے باوجود علا قائی صحافی آج بھی بے یار و مدد گار ہے اسے دھمکیاں ، قتل ، تشد د اور بے بنیاد مقدمات جیسے سنگین مسائل کا سامنا ہے اور معاشرے میں اس کے ساتھ ہتک آمیز روبیا پنایاجاتا ہے۔ حکومت 'صحافتی ادارے اور صحافتی تنظیموں کا کوئی ایسا قابل ذکر اقدام اب تک سامنے نہیں آیا جس سے علا قائی صحافیوں کو جانی ومالی تحفظ کا احساس ہواور علا قائی صحافیوں کے بیہ ناگفتہ باحالات حکومت وقت میڈیا ہائو سز اور صحافتی تنظیموں کے لئے غور و فکر کے متقاضی ہیں۔ ظلم 'ناانصافیوں 'کرپشن کے تدار ک اور مسائل کواحا گر کرنے میں علاقائی صحافت کا بڑاکلیدی کر دارہے جس کی وجہ سے ان کے حقوق اور مسائل کاحل حکومت کو یقینی بنانے میں ٹھوس عملی اقد امات اٹھانے جاہیے ادارے جب علا قائی صحافیوں کو اعزاز یہ دیں گے صحافتی تنظیمیں اپنے اپنے منشور کے مطابق جب صحافیوں کے فلاح و بہبود اور تحفظ کے لئے ان کی پشت پر ہو نگی تو پھریقینا حکومت بھی صحافیوں کے مسائل سے مجھی چیثم یوشی نہیں کر سکے گی۔ حکومت اور صحافتی تنظیموں کو علاقائی صحافیوں کی مشکلات اور مسائل کاادراک کرتے ہوئے تھوس عملی اقد امات اٹھانا ہونگے تاکہ علاقائی صحافت کو تقویت مل سکے۔خبر سے لے کراس کی اشاعت تک وہ ادارے کے وقار کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں رکھتالیکن برقشمتی سے صحافی کو کسی سطح پر بھی جانی ومالی تحفظ فراہم کرنے کی ضانت فراہم نہیں کی جاتی صحافق تنظیموں کے حالات ایسے ہیں کہ ضلع سطح پر قائم پریس کلب کی تنظیمیں بھی اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ متاثرہ صحافی کی پشت پر کھڑی نظر نہیں آتی۔ یہ صور تحال ایسے فکر منداشارے کی جانب توجہ میذول کروار ہی ہے جو مستقبل قریب میں صحافیوں کے لئے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں ہے میڈیا ہائو سز مالکان اور صحافتی تنظیموں کو صور تحال پر نظرر کھتے ہوئے جاہیے کہ وہ صحافیوں کی فلاح و بہبود اور ان کے تحفظ کویقینی بنانے کے لئے عملی کر دار کے ساتھ حکومت کو قانون سازی پر مجبور کرہے کیونکہ علاقائی صحافیوں کے حقوق کی بازیابی اور ان کا جانی ومالی تحفظ یقینی بنانااشد ضروری ہے۔ صحافتی تنظیموں کو بلحضوص جاہیے کہ وہ و کلاء تنظیموں کی طرح علا قائی صحافیوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اپنا مثبت کر دار ادا کریں اگران حالات میں ان صحافتی تنظیموں نے علا قائی صحافیوں کے حقوق کے لئے عملی کر دار ادانہ کیا تو علا قائی صحافیوں کی افادیت جہاں ماندیڑے گی وہیں صحافتی تنظیمیں بھی مقبولیت واہمیت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔ حکومت جہاں میڈیا مالکان اور بڑے شہروں کے صحافیوں کو امداد دینے کا اعلان کرتی ہے وہیں اسے علاقائی صحافیوں کے حقوق و مراعات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کیونکہ وہ بھی اسی ریاست کے باسی اور انہی مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔ علاقائی صحافیوں کو جو مشکلات درپیش ہیں حکومت کو چاہیے کہ صحافتی تنظیموں کے ساتھ مل کر ایسا طریقہ کاروضع کرکے قانون سازی کرہے جس سے جہاں علاقائی صحافیوں کے مسائل حل ہو سکیں' انہہ ں عانی و مالی تحفظ

کا حساس ہو سکے اور علاقائی صحافت سے منسلک صحافی بھی حکومت کی جانب سے صحافیوں کو دی جانے والی مراعات کے حقدار تھہریں۔

Q.3 Answer:

بإكستان كانظام حكومت

پاکستان میں سیاست آئین پاکستان کے دائرے میں رہ کرہی کی جاسکتی ہے۔ بلکہ حقیقت سے ہے کہ آئین پاکستان نے ہی سیاست کو قائم کیا ہے۔ آئین پاکستان کا نظام پارلیمانی سیاست کو قائم کیا ہے۔ آئین پاکستان کا نظام پارلیمانی جمہوری نظام ہے جس کا آئین نام اسلامی جمور ہے پاکستان ہے۔

اس کے علاؤہ آئین پاکستان نے پاکستان کی حکومت کا پوراڈھانچہ بیان کیا ہے اور مختلف شعبوں (جیسے حکومت، عدلیہ، قانون سازادارے، پارلیمان (میں طاقت تقسیم کیا گیا ہے۔ پاکستان ایک وفاقی ملک ہے جس میں ایک وفاقی حکومت ہوتا ہے جو صوبائی حکومتوں سے تعاون کے ساتھ ملکی فیصلے کرتا ہے۔ ریاستِ پاکستان کا سربراہ صدر مملکت ہوتا ہے، آئین پاکستان کے مطابق ایک صدر کامسلمان اور پاکستانی ہوناسب سے لازمی ہے۔ صدر پانچ سال کے لیے منتخب ہوتا ہے اور اگر پانچ مدت پوراہونے سے پہلے ہی صدر استعفی دیا چاہے تودے سکتا ہے، صدر کو ایک اور طریقے سے بھی برطرف کیا جاسکتا ہے اگر لیمان کی دو تہائی (3/1) ارکان صدر کو ہٹانے کے حق میں ووٹ دے۔

عام طور پر تواختیارات وزیراعظم اور دیگر حکومتی وزراء کے پاس ہوتے ہیں مگراصل بنیادی اختیارات (جیسے قانون بنانا، وزیر اعظم جیسے اہم عہدیدار منتخب کرنا، وغیرہ) پارلیمان کے پاس ہوتے ہیں۔ پاکستان کا پارلیمان دو ایو انسی ہے، ایک ایوان فو می اسمبلی ہے۔ قومی اسمبلی کے ارکان کو براہ راست عوام منتخب کرتے ہیں جبکہ سینٹ کے ارکان کو جارکان کو چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ارکان منتخب کرتے ہیں۔

وزیزاعظم جو حکومت کاسر براہ ہوتا ہے ،وزیراعظم کے ماتحت ایک کابینہ ہوتا ہے جس میں مختلف وزراء ہوتے ہیں ان وزراء کا تقر رصدر مملکت وزیراعظم کے مشور سے پر کرتا ہے۔اس کا بینے میں بہت سے وزار تیں ہوتی ہیں۔1992 کے مطابق پاکستانی حکومتی کابینہ میں تقریباً 33 اہم وفاقی وزارتیں تھی جن میں عظمہ ،داخلہ ،خارجہ ، تجارت ، تعلیم ،ماحولیات ،دفاع ، ثقافت ، پیڑ ولیم اور قدرتی وسائل ، پارلیمانی امور ، قانون ،مذہبی امور ،وغیرہ شامل ہیں۔

ما کستان کی معیشت

بیک تاب کی معیشت ہمیشہ مدو جزر کا شکار رہی ہے۔ گو کہ پاکستان کو ور شہ میں بچے کھیچے صرف چندادار نے ملے لیکن اس وقت ایک تابل انظامیہ موجود تھی جس کی ہدولت 1950 تک پاکستانی معیشت میں تبدیلی 1958 کے بعد آئی۔ پاکستان کا میں بیٹ سن سے خوب زر مبادلہ حاصل ہوا۔ لیکن ملکی معیشت میں تبدیلی 1958 کے بعد آئی۔ پاکستان کا دوسرا پانچ سالہ منصوبہ 1965 میں ختم ہوا۔ اس وقت پاکستانی معیشت کو ترتی پذیر ممالک کے لئے ایک ماڈل کی حیثیت حاصل تھی۔ ورلڈ بینک کے مطابق اس وقت جو ممالک پہلی دنیا (ترقی یافتہ ممالک) کا درجہ حاصل کر سکتے تھے، ان میں حاصل تھی۔ ورلڈ بینک کے مطابق اس وقت جو ممالک پہلی دنیا (ترقی یافتہ ممالک) کا درجہ حاصل کر سکتے تھے، ان میں اور 1968 تک ترقی کی شرح دوبارہ سات فیصد سے زیادہ ہوگئ۔ اس کے بعد حالات خراب ہونا شروع ہوئے۔ 1972 میں جب نئی حکومت بر سرافتذار آئی تواس نے ملک میں بہت سی اصلاحات نافذ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کارو عمل منفی ہوا۔ بڑی صنعتوں کو تو میالیا گیا۔ اس طرح پاکستان میں موجود گئی ایک بڑے صنعت کاروں کو ملک چھوڑنا ان کارو عمل منفی ہوا۔ بڑی صنعتوں کی ترق مہت کم ہوگئی اور اس کا اثر عمومی قومی پیداوار پر بھی پڑا۔ روپیہ کی قدر کم کرنے کی وجہ سے مہنگائی میں اضافہ ہوا۔ البتہ بہت سے لوگوں کو ڈل ایسٹ جانے کا موقع ملا۔ اس طرح ملک میں مصنوعی خوشحالی نظر آنے گئی۔

1980 کے عشرے میں ملک میں سات استحکام رہا، اس لئے دوبارہ ترتی کی شرح بڑھنے گی لیکن افغان بحران کی وجہ سے ملک میں اندرونی بحران پیدا ہوتارہا۔ 1988 کے بعد سے آنے والی حکومتوں نے پائیدار ترتی کے بجائے وقتی اقدامات سے عوام کوخوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن حقیقت ہے ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی بھی پاکستانی معیشت مستحکم نہ ہوسکی۔ ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قیمت کو مسلسل کم کیا جاتارہا۔ ملک ہیں لڈیم نہ بنائے گئے اور سستی بجلی نہ مل سکی۔ ملک آئی پی پیز کے چنگل ہیں چھنس گیا جس کی وجہ سے نہ صرف توانائی مبتحلی ہوئی بلکہ گرد ڈی قرضہ بھی بڑھتارہا۔ 11/9 کے بعد پاکستان پر بین الا توامی پابندیاں ختم ہو کیں بلکہ بہتر ہوئیں، 2008 تک بر سرافتدار رہنے والی حکومت نے معاشی مسائل کو بہت سنجید گل سے حل کرنے کی کوشش کی۔ اس عرصے میں ترتی کی شرح بڑھ گئی۔ 2006 میں بی ڈی کی پی میں 8.5 فیصداضافہ ریکار ڈی گئی۔ اس کے بعد پھر بی ڈی پی گرانٹر وع ہو گئی۔ روپے کی قدر کم کردی گئی۔ یہ سلمہ آئی تک جاری ہے۔ کیا گیا۔ افسوس کہ اس کے بعد پھر بی ڈی پی گرانٹر وع ہو گئی۔ روپے کی قدر کم کردی گئی۔ یہ سلمہ آئی تک جاری ہے۔ جارہا ہے۔ برآ مدات میں اضافہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ معیشت ست روی کا شکار ہو چکا ہے۔ روپید اپنی قدر کھوئے جارہا ہے۔ برآ مدات میں اضافہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ معیشت ست روی کا شکار ہو چکا ہے۔ روپید اپنی قدر کھوئے جب موجودہ حکومت بر سرافتدار آئی تواسے سب سے بڑا مسئلہ ادا نیکیوں کے خمارہ کادر پیش تھا۔ سابقہ حکومت نے میں موجودہ حکومت بر سرافتدار آئی تواسے سب سے بڑا مسئلہ ادا نیکیوں کے خمارہ کادر پیش تھا۔ موارث کی توجہ نہ دی جو کہ ہو کہ مرف کے اور بڑالر رہ گئیں۔ اس طرح بجائے اس کے کہ برآ مدات بڑھتیں وہ کم تھیں بھو کو مرف 21رب ڈالر رہ گئیں۔ اس طرح بجائے اس کے کہ برآ مدات بڑھتیں وہ کم تھیں بھو کہ مرف کے اور اور اگل ہو اس کے کہ برآ مدات بڑھتیں وہ کم تھیں بھو کی کو برآ مدات بڑھتیں وہ کم

ہو گئیں۔اگر ہماری بر آمدات صرف 15 فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھتیں تو 2018 تک یہ کم از کم 55 ارب ڈالر ہونی چاہئے تھیں۔اس طرح ہم خسارے کے بجائے منافعے میں ہوتے۔اس وقت ہماری بیر ونی سالانہ ادائیگیاں 60ارب ڈالر ہیں جبکہ بیرون ملک سے ملنے والی ترسیلات 20ارب ڈالرہیں۔ نئی حکومت کو صرف بیرونی ادائیگیوں کے مسئلے سے نمٹنا تھا جس کوحل کرنے کے دوطریقے تھے۔ پاتو بر آمدات کو بڑھا پاجائے یادر آمدات کو کم کیاجائے۔ پاکستان کاسب سے بڑا خسارہ چین کے ساتھ ہے جو کہ تقریباً 14 ارب ڈالر کا ہے۔اگر چین کے ساتھ با قاعدہ مذاکرات کئے جاتے کہ وہ پاکستان سے اتنی ہی مقدار میں درآ مدات کریں جتنی برآ مدات ہیں تومسئلہ حل ہو سکتا تھا۔ دوسری صورت میں تمام غیر ضروری درآ مدات پر یا بندی لگادی جاتی اس طرح پاکستان اس در آمدات میں کم از کم 30 فیصد کمی کر سکتا تھا۔ آج اگر ہم بازاروں میں جائیں تو آپ کو فرنیچیر ، باتھ ٹا نکز چاکلیٹ، بسکٹ، کپڑے اور نہ جانے کیاغیر ضروری اشیاء در آمد شدہ ملتی ہیں۔اگران کو بند کر دیا جائے تو نہ صرف زرِ مبادلہ کی بچت ہوتی ہے بلکہ ملک ہیں جھی ان کی پیدادار بڑھے گی۔اس طرح ہماری جی ڈی پی میں اضافہ ہو گا۔ ابوب خان کے دور میں کوئیالیی شے بیر ون ملک سے در آ مد نہیں ہوتی تھی جو کہ ملک میں بنتی ہو۔ آج صورت حال بیر ہے کہ صرف وہی چیز ملک میں بنتی ہے جو کہ درآمد نہ ہو سکے۔اس امپورٹڈ کلچرنے معیشت کا ستیاناس کر دیا ہے۔افسوس کہ معاملات کو معاشی کے بچائے سیاسی طور پر لیاجا رہا ہے۔ آئی ایم ایف کی شرائط بھی کڑی ہیں۔ ا گرہم معاشی بحران کا تجزیبہ کریں تومسکلہ صرف بیرونی ادائیگیوں کا تھا جس کے لئے ہمیں ڈالر در کارتھے۔ ملک میں ڈالر کی کوئی کمی نہیں۔ دراصل ڈالر کے بڑھنے کو بنیاد بناکر لو گوں نے اپنی بچت رویے کے بجائے ڈالر میں کر ناشر وع کر دی ہے۔ آج ملک میں کم از کم بیس، پچپیں ارب ڈالراس طرح خرید کر گھروں اور لا کروں میں رکھے گئے ہیں اگرعوام کو پتا چل جائے کہ ڈالر گرنے والا ہے تو بیر تمام ڈالر مار کیٹ میں آ جائیں گے۔ حکومت اگر ڈالر کاریٹ فکس کر دیتی تو بہت بہتر ہوتا۔اس وقت ڈالر کی صحیح شرح120 رویے ہوناچاہئے۔اگراسے120 رویے مقرر کیاجاتاتا کہ کوئی شخص مار کیٹ سے ڈالر خرید نہیں سکتا توگھروں میں رکھے ہوئے 20ارب ڈالر مار کیٹ میں آ جاتے جن کو حکومت خرید سکتی تھی۔عام آ د می کوڈالر کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔چندامیر لوگ ڈالر مار کیٹ سے خرید کر بیر ون ملک جائیدادیں خریدتے ہیں جس کاخمیازہ پوری قوم مجھکتتی ہے۔ صرف اس طبقے کو بچانے کے لئے ڈالر کو مارکیٹ کے رحم و کرم پر چھوڑ نابذیتی ہے۔اب توبیہ بھی کہا جاناہے کہ فری ڈالر مار کیٹ دراصل منی لانڈر نگ کا ذریعہ بھی ہے۔ غیر ضروری در آمدات کو بند کرکے اور ڈالر کو فکس کرکے حکومت معاشی بحران پراب بھی قابویاسکتیے۔اگرہم نے آئی ایم ایف سے قرضہ لے کران کی شرائط پر عمل کیاتواں کا منفی نتیجہ نکلے گا۔ کیونکہ اس سے ملک کی جی ڈی پی مزید گرسکتی ہے۔ سرمایہ کاری ختم ہو جائے گی۔ قیمتیں بہت بڑھ جائیں گی۔اس طرح لو گوں میں بھی بے چینی بڑھے گی۔ ڈالر کی قیت بڑھنے سے ہمارے بیر ونی قرضوں میں 50 فیصد اضافہ ہو چکا ہے۔اب ہمیں ہر سال بجٹ میں بیر ونی قرضوں کی ادائیگی کے لئے 50 فیصد زیادہ رقم رکھنی پڑے گی۔اس طرح بجٹ خسارہ مزید بڑھ جائے گا۔اس کے لئے ہمیں مزید ٹیکس لگانے پڑیں گے۔بدایک Vicious Circle ہے جو کہ ملک کے لئے انتہائی

نقصان دہ ہے۔ کرنسی میں کمی سے برآ مدات میں اضافہ ضروری نہیں50 فیصد کرنسی کم کرنے کے باوجود ہماری برآ مدات صرف دو فیصد بڑھ سکیں۔اگر در آمدات میں کمی در کارہے توان پر ویسے ہی یابندی لگادی جائے یااس پر بہت زیادہ در آمدی ڈیوٹی لگادی جائے۔اس طرح ہمارے ٹیکسس میں بھی اضافہ ہوتاہے۔بنگلہ دیش اور بھارت کی کرنسی ہم سے زبادہ مضبوط ہے لیکن ان کی برآ مدات میں ہر سال 10سے 15 فیصد اضافہ ہور ہاہے۔ دراصل برآ مدات بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ پیداوار بڑھائیں اور پیداواری لاگت میں کمی کریں تاکہ یہ بیرون ملک مقابلہ کر سکیں۔اسی طرح آپ کی مار کیٹنگ صلاحیتیں بھی بہتر ہونی جائمیں۔ بیرون ملک سفارت کاروں کو برآ مدی ٹارگٹ دیئے جائیں۔ آج کے دور میں سفارت کاری کار و بارسے منسلک ہے۔ملک کے اندر صنعتوں کو فروغ دیاجائے اور بہتر حالات پیدا کئے جائیں۔اسی طرح ملک ست رفتاری سے باہر آ سکے گا۔ ملک ہیں صرف پیداواری منصوبہ بندی کی جائے اگر ملک میں معاشی ڈسپلن ہو جائے تو پاکستان میں کثیر بیرونی سرمابیہ کاری ممکن ہے کیونکہ پاکتنان 22 کروڑ لو گوں کی مارکیٹ ہے اور یہاں منافع کمانے کے حد درجہ مواقع موجود ہیں۔عوام میں شعور بیدا کیا جائے کہ صرف ملک کی بنی ہوئی اشاخرید س۔ آج ملک میں تبار ہونے والی اشاء کی لاگت اور قیمت در آمدی قیمت سے زیادہ ہے اس کی وجہ غیر ضروری ٹیکسس اور توانائی کی قیمت ہے۔ایسے حالات میں کوئی بھی میں صنعت نہیں ملک میں ایک اور بڑامسکلہ سر کاری اداروں کا خسارہ ہے۔افسوس ابھی تک کوئی پالیسی نہیں بنائی گئی۔سٹیل مل اور بجلی کی تقسیم کار کمپنیاں خسارے میں ہیں۔ان تمام اداروں کو فوری طور پریاتو نجی شعبوں میں دیاجائے یاصوبوں کے حوالے کر دیا جائے۔اس طرح ہم تقریباً 100 ارب روپے کی بیت کر سکتے ہیں۔اسی طرح خسارے میں چلنے والی تقسیم کار کمپنیوں کے بجائے منافع والی کمپنیوں کو نجی شعبے کو دیا جارہاہے۔اس طرح سے معاملات حل نہیں ہو سکتے۔ملک میں جرأت مندانه اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔ فوری طور پر ڈیم بنائے جائیں۔ خاص طور پر کالا باغ ڈیم جو کہ سب سے جلدی اور کم رقم میں بن سکتا ہے۔معیشت ایک سنجیدہ مسکلہ ہے اسے سیاسی طریقے سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ یاد رہے کہ پاکستان ایک بہت ترقی پذیر معیشت رہاہے لیکن صرف سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے آج تباہ حال معیشت کا حامل ہے۔ا گرہم نے اپنی معیشت کو سنجید گی سے اور جرأت مندی سے نہ چلا یاتو حالات بگڑ سکتے ہیں۔ یادر ہے کہ کوئی بھی ملک ایسے حالات کامتحمل نہیں ہو سکتا۔ آج بنگلہ دیش اور ویت نام بھی پاکستان سے آ گے ہیں۔ کل اور بہت سے ممالک بھی ترقی کی دوڑ میں پاکستان کو پیچھے جھوڑ سکتے ہیں۔اس کئے معاشی سنجید گی کی اشد ضرورت ہے۔